صیہونی اسرائیلیوں کی مسلم آزاری

(یروشلم کے مقاماتِ مقدسہ کی تخریب و توہین)

از جناب نعیم صدیقی صاحب

(۲)

خود اسرائیلی ارباب اختیار میں بھی اختلاف تھا۔ تاہم ۱۲ جنوری میں کونسل کے ایک ممبر نے بشدّ و مد کہا کہ ۱۹۶۷ء کے بعد سے میونسپلٹی کو مکانوں کی تیز رفتار تعمیر پر مجبور کیا جاتا ہے۔ وزراء کا کہنا ہے کہ ان کے سامنے اہم سیاسی مقاصد ہیں[۱]

نیوزویک مورخہ ۲۵ جنوری ۱۹۷۱ء میں اسرائیلیوں کے تعمیری منصوبوں کا یہ مقصد سامنے آیا کہ عربی خطہ یروشلم چاروں طرف سے وسیع یہودی تعمیری پراجیکٹوں کے گھیرے میں لے لیا جائے۔ ایک مدعا یہ بھی ظاہر کیا گیا کہ یروشلم میں یہودی ووٹوں کی مستقل اکثریت رہے۔ مشرقی حصے میں یہودیوں کی اتنی تعداد ہونی چاہیے کہ یروشلم کے عربی علاقوں کو واپس اردن کے حوالے کرنے کی کسی بھی تجویز کا توڑ کیا جاسکے۔[۲]

ڈیلی سٹار مورخہ ۴ فروری (بحوالہ AL-DIFFA) نے اطلاع شائع کی کہ اسرائیلی پارلیمنٹ ایک نیا قانون پاس کر رہی ہے جس کے مطابق وہ یروشلم کے مسلم مقاماتِ مقدسہ کو قبضے میں لے کر ہیکل سلیمانی کی تلاش کے لیے ان کی کھدائی کرنا چاہتی ہے۔[۳]

۱۷ فروری کے نیشنل ہیرلڈ ٹریبیون کے بیان کے مطابق ہاؤسنگ منسٹری کے ۱۵ ایسے نوجوانوں کو برطرف کر دیا گیا جو متذکرہ "تعمیراتی" منصوبے پر تنقید کرتے تھے۔[۴]

۱۸ فروری ۱۹۷۱ء کو امریکہ کے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے ترجمان مسٹر رابرٹ میکسکلوسکی (RABERT MECLOSKY) نے مقبوضہ علاقہ یروشلم میں ۱۲۲۰۰۰ یہودی افراد کے لیے ۳۵ ہزار اقامت گاہوں

---

[۱]، [۲]، [۳]، [۴] THE RAPE OF OLD CITY . P: 2 ; COL: 8.

کی تعمیر کے منصوبے پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا...... مسٹر رابرٹ کا مزید کہنا یہ تھا کہ یہ کارروائی یروشلم کی مسلمہ حیثیت کے لیے ضرر رساں ہے۔ مگر اسرائیلی وزیر تعمیرات (M ZOV SHAREF) نے منصوبے کے حق میں جواباً یہ کہا کہ اس کا مقصد شہر کے یہودی کیریکٹر کو مضبوط کرنا اور اسے بین الاقوامی رنگ اختیار کرنے سے بچانا ہے۔[1]

ڈیلی اسٹار پورے سال (۱۹۷۱ء) میں مسلسل بیرونی حکومتوں کی ایک بڑی تعداد کی طرف سے یروشلم میں یہودی طرز عمل کے خلاف احتجاج پیش کرتا رہا۔ احتجاج کنندگان میں بلجیم، رومانیہ، سوئٹزرلینڈ، دی ورلڈ مسلم کانگریس، دی انٹرنیشنل اسلامک آرگنائزیشن آف انڈونیشیا، دی سپریم کونسل آف اسلامک افیئرز مصر، جنرل اسلامک کونسل آف یروشلم، مسلم ورلڈ لیگ (رابطۂ عالم اسلامی مکہ) گنی، یو۔ایس۔اے اور کینیڈا کے پیروانِ یسوع، ہسپانیہ، یوکے اور ویٹیکن شامل ہیں۔[2]

یہودی جریدے (LE MONDE) کی ۲۲ فروری کی اشاعت میں اقوام متحدہ کے جنرل سیکرٹری مسٹر اوتھان کا یہ بیان مذکور ہے کہ ان کے بس میں نہیں ہے کہ وہ جنگ بندی کی نگرانی کے لیے اقوام متحدہ کے قائم کردہ دفتر کے آس پاس یروشلم کے عربی علاقے میں یہودی تعمیرات کے منصوبے کو معلوم کر سکیں۔ نیز یہ کہ پریس رپورٹروں کی رُو سے اقوامِ متحدہ کے قائم کردہ مراکز کے حقِ استحفاظ کی خلاف ورزیوں کا (اسرائیلیوں کی طرف سے) اندیشہ ہے۔[3]

گارجین ۲۲ فروری کے بقول بین الاقوامی تشویش اور اضطراب کا اثر اُلٹا ہوا۔ اسرائیلی ضم کردہ مشرقی یروشلم میں فلیٹوں کے بلاک تعمیر کرنے کے منصوبوں پر آگے بڑھتے جا رہے ہیں۔ یروشلم کے میئر مسٹر کالیک (KALLEK) نے کہا کہ میں غیر ملکی مداخلت کے اس لمحے میں اس امر کے لیے واقف ہوں کہ یروشلم کے تمام موزوں عمارتی رقبوں میں یک دم تعمیرات کر ڈالی جائیں۔ یہ تمام پراجیکٹ عربوں سے ضبط کردہ اراضی سے متعلق تھے۔[4]

بحوالہ انٹرنیشنل ہیرالڈ ٹریبیون مورخہ ۲۴ فروری اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے اجلاس میں مصری اور اردنی وفود کی طرف سے سیکرٹری جنرل کو اس صورتِ واقعہ پر احتجاجی نوٹ دیا گیا کہ ۱۹۶۷ء میں جنرل اسمبلی کی پاس کردہ دو، اور سلامتی کونسل کی تین قرار دادیں اسرائیل کو اقوام متحدہ سے بے نیازی کی روش سے باز نہیں

---

[1] THE RAPE OF OLD CITY P:2 COL:2 P:3: COL:1

[2]، [3]، [4] THE RAPE OF OLD SITY , P: 3, COL: 1

رکھ سکیں۔ اُلٹا اپنے کیے کرائے پر باضابطہ مہرِ توثیق ثبت کرنے کے لیے یروشلم کی میونسپل کونسل نے اپنے ایک ریزولیوشن میں کہا کہ یروشلم کو ایک کرنے کی کارروائی پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی ہے اور یہ کہ آئندہ یروشلم کو ہمیشہ کے لیے اسرائیل کا دارالحکومت قرار پانا ہے[1]۔

۲۵ ستمبر ۱۹۷۱ء کو سلامتی کونسل نے قرارداد نمبر ۲۹۸ پاس کر کے اسرائیل کو یروشلم کی حیثیت تبدیل کرنے سے باز رہنے کا مطالبہ کیا۔ نیز سابق قراردادوں پر عمل نہ کرنے پر اظہارِ افسوس کیا[2]۔

۲۷ ستمبر کے گارجین نے لکھا کہ اسرائیل نے متذکرہ ریزولیوشن کو مسترد کر دیا ہے اور اس کی بنیاد پر کسی گفت و شنید میں شامل ہونے سے انکار کر دیا ہے[3]۔

۳ اکتوبر کے آبزور کا بیان ہے کہ اقوامِ متحدہ کے سیکرٹری جنرل نے یروشلم کا جائزہ لینے کے لیے ایک کمیشن بھیجنے کے لیے اسرائیل سے درخواست کی مگر اس کا کوئی رسمی جواب نہیں دیا گیا[4]۔

نیو اسٹیٹس مین ۱۶ جولائی نے ایڈیٹوریل میں اسرائیلیوں کی ناجائز تعمیراتی کارروائیوں کی تیز رفتاری کے حق میں اُن کا یہ نقطۂ نظر بیان کیا کہ قبل اس کے کہ گفت و شنید کی میز پر دلیل بازی کا وقت آئے، ایک صورتِ واقعہ کو موجود ہونا چاہیے[5]۔

۱۱ جون ۱۹۶۷ء کو اسرائیلی فوج کی کاریں کھڑی کرنے کی جگہ بنانے کی خاطر ۱۳۵ گھروں اور ۲ مسجدوں کو مسمار کر دیا گیا۔ اس تبدیلی کا نقشہ رپورٹ میں شامل ہے[6]۔

۱۴ اپریل ۱۹۶۸ء کو عربی املاک کے ۲۰ فیصد حصے کو اسرائیل کے انخلائی افسروں نے ضبط کر لیا۔ اس ضبطی کی زد میں ۵۹۵ عمارتیں آئیں۔ ان میں ۱۰۴۸ رہائشی کمرے، ۴۳۷ دکانیں، ۴ مدرسے اور ۵ مسجدیں شامل ہیں۔ اس تبدیلی کا نقشہ بھی دیا گیا ہے[7]۔

۱۴ جون ۱۹۶۹ء کو اسرائیلی فوج نے ۱۴ عمارتوں پر قبضہ کر لیا جن میں ایک مسجد بھی شامل ہے۔ ان سب پر

۱۔ THE RAPE OF THE OLD CITY P: 3. COL: 1, 2.

۲، ۳، ۴، ۵۔ IBID P: 3, COL: 2

۶۔ IBID P: 7.

۷۔ IBID P: 10.

بل ڈوزر چلا کر ان کا صفایا کر دیا گیا۔ نیز ۲۰ جون ۱۹۶۹ء کو ۱۷ عمارات قبضے میں لے لی گئیں جن میں ایک وقف شدہ مسلم مذہبی مدرسہ بھی شامل تھا۔ نقشہ دیا گیا ہے۔[1]

۱۹۷۰ء کے بعد سے اس وقت (رپورٹ کی ترتیب و اشاعت کے وقت) تک ۳۰ عمارات کی بنیادوں کے نیچے کھدائی کا سلسلہ جاری ہے جو اپنی خوبصورتی کی وجہ سے شہرہ رکھتی ہیں اور تاریخی پہلو سے افادیت کی حامل ہیں۔ ان کھدائیوں کی وجہ سے بعض کو غیر محفوظ قرار دے کر انہیں مسمار کرنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔[2]

۳۰ اگست ۱۹۷۰ء کو اسرائیلی حکام کی طرف سے مسلمانوں کے قبرستانوں اور حرم شریف کے اردگرد کی وقف جائیداد کو ضبط کرنے کا حکم صادر کیا گیا۔[3]

شکیل ضیا نے اپنی کتاب کے آخر میں کچھ تصاویر دی ہیں، ان میں دکھایا گیا ہے کہ یہودی مسجد اقصیٰ اور مسجد صخرہ میں شراب نوشی اور رقص جیسی حرکات کر رہے ہیں۔ ناگفتنی یہ کہ ایک جوڑے کو حیوانی جذبات کی تسکین کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔

معابد کسی بھی قوم یا مذہب سے تعلق رکھتے ہوں، کسی خدا پرست پیروِ انبیاء اور با اخلاق گروہ سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ محض انتقامی جذبات کے تحت ایسے مقامات میں سفلگی کا مظاہرہ کرے گا۔ ایسی ذلیل حرکات کی توقع ایک مغضوب قوم ہی سے کی جاسکتی ہے۔[4]

الخلیل میں صہیونی جبر و دہشت کا رقص

یہاں میں ضروری معلومات حسان کلیمی کے مضمون سے لے رہا ہوں کیونکہ حسان کلیمی ایسی پوزیشن میں ہیں کہ وہ بیرونی احوال کی تازہ ترین تفاصیل سے آگاہ ہونے کے ذرائع رکھتے ہیں۔

بیت المقدس سے ۲۰ میل جنوب میں "الخلیل" (جسے یہودی حبرون کہتے ہیں) فلسطین کا دوسرا مقدس شہر ہے یہاں مسجد ابراہیم چودہ سو سال سے عظمتِ اسلام کے پھریرے اڑا رہی ہے مسلمانانِ عالم کے نزدیک یہ مسجد حرم کعبہ مسجد نبویؐ اور مسجد اقصیٰ کے بعد سب سے زیادہ متبرک اور مقدس عمارت ہے۔ اس کے فرش کے نیچے مکفیلہ (MACHPELA) کے مشہور غار میں حضرت ابراہیمؑ، حضرت یعقوبؑ اور حضرت اسحاقؑ کے مزار ہیں جن کے

۱۔ THE RAPE OF THE OLD CITY P: 12

۲، ۳۔ IBID P: 14

۴۔ SHAKIL ZIA HISTORY OF JEWISH CRIMES (KARACHI)

تعویذ مسجد کے بالائی فرش پر بنے ہوئے ہیں۔

۵ رجون ۱۹۶۷ء تک الخلیل اُردن کا ایک پُرامن اور خوشحال شہر تھا جہاں دنیا بھر سے ہر سال لاکھوں زائر پہنچتے تھے۔ لیکن عرب اسرائیل جنگ (۱۹۶۷ء) کے بعد صہیونیوں کے تسلط کی وجہ سے صورتِ حالات پوری طرح بدل گئی۔

اوّلین اقدام صہیونیوں کا یہ تھا کہ انہوں نے باہر سے آنے والے یہودیوں کو اس شہر میں بسانا شروع کیا۔ اس پر مسلمانوں نے احتجاج کیا کہ یہ شہر اسرائیلی ریاست کی تشکیل کے وقت (۱۹۴۸ء میں) خالص مسلم آبادی پر مشتمل تھا اور اب تک وہ اسی طرح ہے۔ اس کی یہی حیثیت اُردنی حکومت کے تحت بھی برقرار رہی۔ لیکن اسرائیلی فوج اور صہیونیت زدہ مذہبی جنونیوں نے کسی کی ایک نہ سُنی۔ یہودیوں نے الخلیل کے اِردگرد مسلمانوں کے گاؤں تباہ کیے الخلیل کے تاریخی اور مقدس شہر کی قدیم عمارات کو ڈھایا اور یہاں نوآمدہ یہودیوں کو بسانا شروع کیا۔ بیت العلا کا پورے کا پورا مسلمانوں کا گاؤں ڈائنامائیٹ سے اُڑا دیا گیا۔ اسی طرح کی مذموم ظالمانہ کارروائیوں سے یہودیوں کے لیے جگہیں بنائیں۔

اب اگلا قدم یہ تھا کہ یہودی نوآبادکاروں نے اسرائیلی حکام اور مذہبی جنونیوں کی جماعتوں کی پشت پناہی سے مکفلہ کے غار اور حرم کے ایک چھوٹے سے حصے میں اپنی عبادت شروع کر دی۔ اس پر پھر احتجاج ہوا مگر بے سود۔ بالآخر مسلمانوں نے اشتعال کی حالت میں یہودیوں پر حملہ کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسرائیلی فوج مسلمانوں پر پل پڑی اور بے حد جانی و مالی نقصان ہوا۔

ستمبر ۱۹۶۸ء میں الخلیل کے مسلمان اکابر اور مذہبی رہنماؤں نے یہودی حکام سے شکایت کی کہ یہودی حرمِ مقدس میں داخل ہو کر اس کی اہانت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اس کے جواب میں اسرائیل کے فوجی گورنر نے مسلمان زعماء کو دھمکی دی کہ یہودیوں کو حرمِ ابراہیمی میں داخل ہو کر عبادت کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا، اور اگر ضرورت ہوئی تو اسرائیل اس معاملے میں طاقت استعمال کرے گا۔ موشے دایان نے اعلان کیا کہ یہودی مسلمانوں کے احتجاج کے علی الرغم مسجد میں داخل ہو کر عبادت کریں گے۔ مسلمانوں نے مسجد کے تحفظ کے لیے مزاحمت کی۔ اس پر اسرائیلیوں نے حرمِ ابراہیمی پر حملہ کر کے مسجد کے مشرقی دروازے اور زینے کو تباہ کر دیا۔ موشے دایان الخلیل کے مسلمان رئیس بلدیہ اور دوسرے مسلمان اکابر کو دھمکی دی کہ انہیں بزورِ جلاوطن کر کے دریائے اُردن کے اس پار دھکیل دیا جائے گا۔

بعدازاں الخلیل کے نوآبادکار یہودیوں نے اعلان کیا کہ وہ حرمِ ابراہیمی میں اپنی عبادت کے لیے ایک مندر تعمیر

کریں گے۔ گذشتہ چند سال میں ایک تدریج کے ساتھ اس اعلان کو جامۂ عمل پہنایا گیا ہے۔

۱۹۶۸ء میں دایان نے یہودیوں کو اجازت دے دی تھی کہ وہ جمعہ کے علاوہ اور دنوں میں مسجد کے ایک مخصوص حصے میں عبادت کر سکتے ہیں۔ اس ابتداء کی اب انتہا یہ ہے کہ یہودی جمعہ کے دن بھی حرم میں آ گھستے ہیں اور اسرائیلی حکمران ان کی حمایت کرتے ہوئے کہتے ہیں یوم سبت سے قبل کی عبادت کرنا یہودیوں کے لیے ضروری ہے۔ اب یہ لوگ مسجد کے ایک گوشے تک محدود نہیں رہ سکتے، بلکہ مسجد کے بڑے حصے کو استعمال کرنے کے مجاز ہیں۔ عملاً اب وہ مزاروں والے دو بڑے ہال کمروں پر قابض ہیں اور یہ حصہ اس سے بڑا ہے جو مسلمانوں کے لیے چھوڑا گیا ہے۔

ستمبر ۱۹۷۲ء میں مسلمانوں کی بے بسی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہودیوں نے یہ اعلان بھی کیا تھا کہ وہ حرم کے اندر اپنے علاقے کو توسیع دیں گے۔ حضرت ابراہیمؑ کے مزار (تعویذ) کے گرد مسجد کے فرش پر یہودی پہلے ہی قابض تھے۔ اب وہ یہ کہتے ہیں کہ مزار یعقوبؑ کے گرد جو جگہ ہے اسے مزار ابراہیمؑ سے ملانے کے لیے وہ ایک نئی چھت بنا کر پھر چوطرفہ اپنا احاطہ تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے حرم کے ایک قدیم کنویں کو تباہ کر دیا ہے، مسجد کی ایک دیوار بھی توڑ دی ہے اور یہودی اپنے استعمال کے لیے الماریاں، رحل اور چٹائیاں لا کے ڈال چکے ہیں۔

اس وقت حال یہ ہے کہ یہودی مسجد ابراہیمی میں غل مچا کر تورات پڑھتے ہیں اور مسلمانوں کی نماز میں خلل ڈالتے ہیں۔ اہانت اسلام کی ایک واضح مثال یہ بھی ہے کہ جنونی یہودی مسجد کے اندر مسلمانوں کی نماز جنازہ کی کھلم کھلا تضحیک اور بے حرمتی کرتے ہیں۔ انہوں نے کئی بار جنازوں کو الٹ دیا ہے۔

حال ہی میں جنونی یہودیوں کی جماعت "یہودی ڈیفنس لیگ" کے سو سے زائد غنڈے الخلیل میں آئے اور انہوں نے اعلان کیا کہ وہ الخلیل کا مسئلہ کلی طور پر حل کرنے اور اسے یہودی شہر بنانے کے لیے آئے ہیں۔ انہوں نے رئیس بلدیہ علی الجعبری سے مطالبہ کیا کہ وہ ۱۹۲۹ء اور ۱۹۴۸ء کے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لیے الخلیل کے دروازے یہودیوں کے لیے چوپٹ کھول دیں۔ مذکورہ سالوں میں مسلمانوں نے الخلیل کو مکمل طور پر مسلم شہر بنا رکھنے کی کوششیں کی تھیں۔ رئیس بلدیہ کو یہ دھمکی بھی دی گئی ہے کہ دو ہفتے کے اندر ان پر مقدمہ چلایا جائے گا۔

مسلمانوں کے خلاف یہودی ہتھکنڈوں کی ایک مثال حال ہی میں سامنے آئی۔ الخلیل کے مفسدین نے حرم ابراہیمی میں خود تورات کے اوراق پھاڑ کر منتشر کر دیے اور بعد میں واویلا مچا دیا کہ مسلمانوں نے مقدس صحیفہ کی توہین کی ہے۔

واضح رہے کہ یہ سب کچھ سلامتی کونسل کی پاس کردہ اس قرارداد کے علی الرغم ہو رہا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ:-

۱- حرمِ ابراہیمی چودہ سو سال سے مسلمانوں کی عبادت گاہ ہے۔

۲- کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ مسلمانوں کی مسجد میں مندر یا کوئی دوسری عبادت گاہ تعمیر کرے۔

۳- مسجد ابراہیم نہ تو الخلیل کے باشندوں کی ملکیت ہے، نہ اسلامی کونسل کی، بلکہ اس پر تمام مسلمانانِ عالم کا حق ہے۔

۴- مسجد کے کسی حصے پر یہودی قبضہ مسلمانانِ عالم کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے کے مترادف ہے۔[1]

مضمون کے خاتمے پر واقعۂ الخلیل کے متعلق ایک تازہ شہادت کا اضافہ کرنا ضروری معلوم ہوا۔ اُردن کے وزیر اوقاف ڈاکٹر عبدالعزیز خیاط نے جو دردانگیز خط ان دنوں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی خدمت میں روانہ کیا ہے اس کا ضروری اقتباس ملاحظہ ہو:-

"اسرائیل کے وزیر دفاع نے مسجد ابراہیمی کو مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان تقسیم کر کے اس کے بڑے حصے کو یہودیوں کا معبد بنانے کا حکم جاری کر دیا ہے۔ اسرائیل نے اس مقدس مقام پر قبضہ کرنے کے لیے سیکڑوں یہودیوں کو بھیج دیا ہے۔ انھوں نے یہاں جمع ہو کر نہ صرف ناقوس بجایا، شراب پی کر غل غپاڑہ کیا اور ختنے کی رسومات ادا کیں بلکہ مسلمان نمازیوں کو خوف زدہ کرنے کے لیے مسجد کے امام اور حامیوں اور محافظوں پر بھی ہلّہ بول دیا۔ پھر فساد کے انسداد کے بہانے اسرائیلی دستے بھیج دیے گئے جنہوں نے نمازیوں کو مسجد میں داخل ہونے سے روک دیا۔ اب مسلمانوں کو صرف نماز کے مقررہ اوقات میں صرف ایک دروازے سے مسجد میں داخل ہونے کی اجازت ہے۔"[2]

پس چہ باید کرد! بیت المقدس اور الخلیل کے مذکورہ سانحات کا کیا اتنا ردِّعمل کافی ہے کہ احتجاجی تقریریں ہو جائیں اور مذمت کی قراردادیں پاس ہو جائیں؟ کیا دنیائے اسلام کی دینی غیرت و حمیت کی آخری حد یہی ہے؟ کیا پہلے کسی احتجاج اور مذمت سے اسرائیلی صہیونیوں نے کوئی اثر لیا ہے؟ اور کیا دنیا بھر کی نمائندگی کرنے والی تنظیم اقوام متحدہ کی ایک ایک قرارداد کو اس نے اندازِ تمسخر سے پیروں تلے روند نہیں ڈالا ہے؟

[1] مضمون مسجد ابراہیمی میں یہودی مندر کی تعمیر از حسان کلیمی۔ شائع کردہ: اخبار انتخاب کراچی۔ مورخہ ۱ جولائی ۱۹۷۵ء۔

[2] سرورق ہفت روزہ ایشیا لاہور۔ مورخہ ۱۷ اگست ۱۹۷۵ء۔

اس سلسلے میں میرا یہ مقام نہیں کہ میں اکابر مسلمین کو مشورے دوں اور نہ یہ توقع کر سکتا ہوں کہ میری تجاویز کسی کے لیے درخورِ اعتنا ہوں گی۔ لیکن شدید احساسِ کرب کے اظہار کا محض ایک راستہ یہ ہے کہ کوئی موثر لائحہ عمل سوچا جائے۔ مسلم ممالک کے وزرائے خارجہ کی مجوزہ میٹنگ میں واضح خطوطِ کار متعین کیے جائیں۔ میری تجاویز یہ ہیں:-

۱۔ مصر و اسرائیل کی مفاہمت و مصالحت کا سلسلہ آناً فاناً اس شرط کے پورا ہونے تک ملتوی رکھنے کا اعلان کرا دیا جائے کہ یہودی مقاماتِ مقدسہ میں ہر قسم کی دخل اندازیوں سے باز آجائیں۔

۲۔ مسئلہ کے حل ہونے تک اسرائیل کے جہازوں کو نہ صرف نہر سویز سے گزرنے کی اجازت نہ دی جائے، بلکہ اسرائیل سے آنے یا جانے والے جہازوں کو دنیا کے کسی مسلم ملک کی بندرگاہ پر رکنے کا اذن نہ دیا جائے۔

۳۔ تمام مسلم ممالک طے کر لیں کہ وہ کسی ایسے وفد یا فنی ماہرین کی کسی ایسی جماعت کو اپنے ہاں آنے نہیں دیں گے جس میں کوئی یہودی رکن شامل ہو۔ اسی طرح مغربی ممالک کی کسی ایسی فرم کے ہاتھ نہ کوئی مال (مع تیل کے) بیچا جائے اور نہ اس سے خریدا جائے جس کے غالب حصہ دار یا سرمایہ کار یا ڈائریکٹر یہودی ہوں۔

۴۔ اقوامِ متحدہ میں اس بنیاد پر اسرائیلی ریاست کی رکنیت ختم کرنے کی قرارداد مسلم ممالک کی طرف سے متفقہ طور پر لائی جائے کہ یہودیوں نے اقوامِ متحدہ کی ان تمام قراردادوں کی جو اسرائیل کو کسی امر کا پابند بنانے یا کسی امر سے روکنے کے لیے پاس کی گئیں (خصوصاً یروشلم کے مقاماتِ مقدسہ اور عرب آبادی اور تاریخی عمارات اور یادگاروں کے متعلق)، بلا استثنیٰ خلاف ورزی کی اور خلاف ورزیوں کا سلسلہ جاری ہے۔

امریکہ اگر روٹھ کر الگ ہوتا ہے تو ہو جائے اور ادارۂ اقوامِ متحدہ اس کے چندے سے محروم ہوتا ہے تو ہو جائے۔ عربوں کو چاہیے کہ یو۔ این۔ او کے دفاتر کو اٹھا کر جدہ یا قاہرہ میں لے آئیں اور اپنے مالی ذرائع سے اسے زندہ و توانا بنائیں۔

۵۔ مستقبل کا ضروری اقدام جو سب مسلمانوں پر واجب آتا ہے یہ ہے کہ مسلم ممالک اتنی طاقت پیدا کریں کہ یروشلم اور الخلیل، اور پھر پورے فلسطین کو یہودیوں کے ظالمانہ تسلط سے نکالیں ـــــ قرآن و حدیث کے واضح کلمات کی رُو سے ایک دن ایسا ہو کر رہے گا۔ قدرت نے پہلی بار یہودیوں کو دنیا بھر سے سمیٹ کر ایک چھوٹے سے کھلیان میں اس لیے جمع کر دیا ہے کہ ایک ہی بار اس فصلِ بد کی گہائی اور روندائی ہو جائے۔ والامر بید اللہ القدیر۔